عدمِ تشدّد اور حفاظتِ خود اختیاری پر ایک نظر

از جناب میر ولی اللہ صاحب ایڈوکیٹ ایبٹ آباد

ایک مدت سے عدمِ تشدّد (Non-Violence) کا اصول ہندوستانی سیاسیات میں ایک مہتم بالشان مسئلہ بنا ہوا ہے، اور اب تک اس کے حق میں اور اس کے خلاف بہت کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے۔

اس اصول کا سب سے بڑا حامی اور سب سے زیادہ پرچار کرنے والا ایک ہندو لیڈر ہے۔ اس کے خلاف مسلمانوں کا ایک طبقہ بڑے زور شور سے عدمِ تشدد کو ایک غیر اسلامی اصول ثابت کرنے میں مصروف ہے چنانچہ عوام عام طور سے اہنسا کو غیر اسلامی چیز سمجھنے لگ گئے ہیں۔

اس مضمون میں عدم تشدد کے متعلق خالص اسلامی نقطۂ نگاہ سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اسلام میں عدم تشدد کی کوئی جگہ ہے یا مطلق نہیں اور یہ اصول کسی رنگ میں بھی اسلامی اصول کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔ مختصر الفاظ میں عدم تشدد سے یہ مراد ہے کہ تشدد نہ کیا جائے۔ اگر کوئی آدمی تشدد کرے تو اس کے مقابلے میں صبر، برداشت اور عفو سے کام لیا جائے۔ تشدد دو قسم کا ہوتا ہے، ایک تشددِ قولی، یعنی کسی کو بُرا بھلا کہنا، گالی دینا، توہین کرنا، غیبت کرنا وغیرہ وغیرہ، دوسرا تشددِ فعلی، یعنی کسی کو جسمانی ضرر پہنچانا۔

ہر شریعت میں اور ہر ملکی قانون میں تشدد کے مقابلے میں تشدد کے استعمال کرنے کا جواز موجود ہے۔ جوابی تشدد کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) تشدد کرنے والے کے خلاف قانونی عدالت تشدد کا حکم دے۔ یعنی مجرم کو قتل کرنے ۔ جسمانی سزا دینے، جلا وطن کرنے، قید کرنے یا جرمانہ کرنے کے احکام صادر کرے۔

(۲) اپنی جان اور مال کی حفاظت کے لئے یا کسی دوسرے شخص کی جان اور مال کی حفاظت کے لئے ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ تشدد کرنے والے کے مقابلے میں تشدد کا استعمال کرے۔ اِس حق کو قانونی اصطلاح میں حقِ حفاظتِ خود اختیاری کہتے ہیں۔

اس مضمون کا اصل مدعا تو صرف اُس تشدد اور عدم تشدد کا بیان کرنا ہے جو حفاظتِ خود اختیاری میں استعمال ہوتا ہے لیکن چونکہ تشدد بحکمِ عدالت اور تشدد بمرادِ حفاظت کے مباحث ایک حد تک باہم وابستہ ہیں۔ اس لئے فہمِ مطالب کے لئے ضروری ہے کہ تشدد بحکمِ عدالت کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا، ہر شریعت میں جوابی تشدد کا جواز موجود ہے۔ چنانچہ ہندوؤں میں بھی جہاں بروئے دھرم شاستر یہ عقیدہ ہے کہ کسی صورت میں بھی کسی ذوروح کو قتل کرنا جائز نہیں۔ وہاں بروئے ارتھ شاستر آتہ تائی کو قتل کرنا جائز ہے۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں چھ قسم کے لوگوں کو آتہ تائی کہا جاتا ہے۔

(۱) وہ شخص جو کسی کے گھر کو آگ لگانے آیا ہو۔

(۲) وہ شخص جو زہر خورانی کا مرتکب ہو۔

(۳) وہ شخص جو مسلح ہو کر کسی کو قتل کرنے آئے۔

(۴) وہ شخص جو کسی کی دولت یا

(۵) عورت یا (۶) زمین چھین لے۔

منو کا قول ہے کہ آتہ تائی کو قتل کرنا گناہ نہیں۔ ایسے شخص کو بے تردد قتل کر دینا چاہئے۔ ہندو قانون میں اِس سے کم درجے کے تشدد کے جواب میں کم درجے کے تشدد کا استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

شریعتِ موسوی میں تشدد بجوابِ تشدد کے احکام جو موجودہ کتاب مقدس میں لکھے ہیں حسب ذیل ہیں۔

"جو کوئی کسی مرد کو مارے اور وہ مر جائے تو وہ البتہ قتل کیا جائے" پرانا عہدنامہ کتاب الخروج باب ۲۱۔ آیت ۱۲۔

"اور جو آدمی کو چرالے جائے اور اُسے بیچ ڈالے یا وہ اس کے پاس سے پکڑا جائے تو وہ البتہ مار ڈالا جائے گا" کتاب و باب مذکور آیت ۱۶۔

"۔۔۔ اور اگر وہ اس صدمے سے ہلاک ہو جائے تو تُو جان کے بدلے جان لے اور آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤں کے بدلے پاؤں، جلانے کے بدلے جلانا، زخم کے بدلے زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ"۔ کتاب و بابِ مذکور آیات ۲۳ تا ۲۵۔

"اور وہ جو انسان کو مار ڈالے سو مار ڈالا جائے گا۔۔۔ اور اگر کوئی اپنے ہمسائے کو چوٹ لگائے سو جیسا کرے گا ویسا ہی پائے گا۔ توڑنے کے بدلے توڑنا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ دانت کے بدلے دانت، جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے اس سے ویسا ہی کیا جائے"۔ پرانا عہدنامہ۔ کتاب احبار۔ باب ۲۴ آیات ۱۷۔ ۱۹۔ ۲۰۔

"تو تم اس سے وہ سلوک کیجیو جو اُس نے چاہا تھا کہ اپنے بھائی سے کرے۔ تو اس طرح برائی کو اپنے درمیان سے دفع کیجیو۔ تاکہ باقی لوگ سنیں اور دہشت کھائیں اور آگے کو تمہارے درمیان ایسی شرارت پھر نہ کریں اور تیری آنکھ مروت نہ کرے کہ جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہوگا"۔ پرانا عہدنامہ کتاب استثنا۔ باب ۱۹ آیات ۱۹ تا ۲۱

توریت کی مندرجہ بالا آیات سے تشدد بجواب تشدد کی اجازت بلکہ ضرورت ثابت ہوتی ہے فی الواقعہ جوابی تشدد ضروری ہے کیونکہ یہ اور لوگوں کے لئے درسِ عبرت ثابت ہوتا ہے۔ اگر ظالم کے لئے کوئی سزا مقرر نہ ہو تو ظلم کے عام ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پرانے عہدنامے کی یہ آیات گو لفظاً جوابی تشدد بحکمِ عدالت کے متعلق ہیں، لیکن معناً ان کے اصول تشدد بحفاظتِ خود اختیاری پر بھی حاوی ہیں، اپنی جان اور اپنے مال یا کسی دوسرے کی جان اور اس کے مال کی حفاظت میں تشدد کا استعمال کرنا انسان کا فطری حق معلوم ہوتا ہے۔

آیئے اب جوابی تشدد کی اجازت اور ضرورت کے متعلق قرآنی آیات کی روشنی سے چشمِ بصیرت کو روشن کرنے کی سعی کریں۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ	اور فرض کیا ہم نے اُن پر اُس (کتاب یعنی توراۃ)
بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ	میں کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ
بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ	اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان
وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۔ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ	اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے
فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ	ایسا ہی زخم، اور جو کوئی بخش دے اسے، پس وہ
وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ	کفارہ ہے اس کے لئے۔ اور جو کوئی حکم نہ کرے
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۔	اس چیز کے مطابق جو اللہ نے اتاری تو ایسے
(۵ - ۴۵)	لوگ ظالم ہیں۔

اس بارے میں توریت کی آیات آپ اوپر پڑھ چکے۔ اس آیتِ قرآنی میں انہی احکام کو دوبارہ بیان کیا گیا ہے۔ اکثر علمائے اسلام اس طرف گئے ہیں کہ تورات کے یہ احکام جنھیں قرآن مجید نے بھی بیان کیا ہے ہمارے لئے بھی بمنزلہ قانون ہیں کیونکہ قرآن نے انھیں صراحت سے منسوخ نہیں کیا۔ لیکن بعض

علما کہتے ہیں کہ یہ آیتِ قرآنی صرف پرانے قانون کی خبر دیتی ہے۔ ہمارے لئے یہ احکام قانون نہیں ہیں بہر حال اس مضمون میں اِس اختلافِ رائے کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں غور کے قابل یہ بات ہے کہ جہاں توراۃ میں یہ لکھا ہے کہ "تیری آنکھ مروت نہ کرے کہ جان کا بدلہ جان آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں گا" وہاں قرآن مجید نے یہ کہا ہے کہ "جو کوئی بخش دے اسے، بس وہ کفارہ ہے اس کے لئے" یعنی اگر مقتول کے وارث قاتل کو اور مجروح زخم پہنچانے والے کو معاف کردے تو اس معافی کے بدلے اللہ تعالیٰ ورثا اور مجروح کے گناہ معاف کردیگا۔

حافظ ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں کہ "قاتل پر تین قسم کے حق ہیں ایک اللہ تعالیٰ کا حق۔ دوسرا مقتول کا حق، اور تیسرا ورثائے مقتول کا حق۔ پس جب قاتل نادم ہوا اور خدا کے ڈر سے تائب ہوکر اس نے اپنے آپ کو ورثائے مقتول کے سپرد کردیا (تاکہ اگر وہ چاہیں تو اُسے قتل کردیں) تو اس طرح اللہ تعالیٰ کا حق ساقط ہوگیا اور صلح و معافی سے حق ورثا ساقط ہوگیا۔ باقی رہا مقتول کا حق تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قاتل سے مقتول کو معاوضہ دلادے گا۔ (یعنی قاتل کے بعض نیک کاموں کا اجر مقتول کو دیدیگا یا مقتول کے چند بُرے کاموں کی سزا قاتل کو دیدے گا) اور اس طرح قاتل و مقتول میں صلح کرادے گا۔"

پس قرآن مجید کی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر قسم کے تشدد کے بدلے میں اسی قسم کا تشدد جائز ہے بلکہ فرض ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی اجازت دی ہے کہ مظلوم ظالم کو معاف بھی کرسکتا ہے۔ حتیٰ کہ قاتل کو بھی مقتول کے ورثا معاف کرسکتے ہیں۔ یہ حکم جوابی تشدد بحکم عدالت اور جوابی تشدد بحفاظتِ خود اختیاری دونوں صورتوں پر حاوی ہے۔ پس یہ ایک صورت ہے عدم تشدد یا اہنسا کی۔ اس بارے میں قرآن مجید کا ایک اور مقام بھی غور کے قابل ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ — اے ایمان والو۔ لکھا گیا ہے تم پر قصاص مقتولوں
الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى، اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ — کے بارے میں۔ آزاد ہو تو آزاد اور غلام ہو تو غلام

وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى	اور عورت ہو تو عورت۔ اور جس (قاتل) کو اپنے
فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ	بھائی (فریق ثانی) کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے
فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ	تو معقول طور سے مطالبہ کرنا اور خوبی کے ساتھ
بِاِحْسَانٍ۔ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ	اس کو ادا کر دینا۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے
وَرَحْمَةٌ۔ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ	تخفیف ہے اور رحم۔ پس جس شخص نے اس کے
فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ	بعد تعدی کی اس کے لئے دردناک عذاب ہے
حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ	اور اے عقلمند لوگو تمہارے لئے قصاص میں زندگی
تَتَّقُوْنَ۔ (۲ - ۱۷۸ - ۱۷۹)	ہے تاکہ تم لوگ پرہیز کرو۔

قصاص سے مراد ہے تشدد بجواب تشدد۔ بدلہ لینا، قاتل کو قتل کے جرم کی سزا میں قتل کرنا یا زخم پہنچانے والے کو بدلے میں اسی طرح کا زخم پہنچانا قصاص ہے۔ ان آیات کی رو سے قصاص لازم ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی اجازت ہے کہ اگر مقتول کے ورثا قاتل کو یا مضروب ضارب کو معاف کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ یاد رہے کہ قتل کی سزا صرف قتلِ عمد کی صورت میں ہوتی ہے ورثائے مقتول اگر قتل کی سزا معاف کر کے خون بہا لینا چاہیں تو چاہئے کہ وہ مناسب طور سے مطالبہ کریں اور ملزم کو چاہئے کہ وہ خون بہا بطیب خاطر ادا کر دے۔ قصاص کو فرض بتا کر اللہ تعالیٰ نے معافی کی اجازت بھی دیدی۔ یہ اس کی طرف سے اپنے بندوں پر فضل و کرم ہے۔ تخفیف ہے اور رحمت ہے۔

ان آیات میں قصاص کے فرض ہونے کی حکمت بھی بتا دی اور کہا کہ قصاص میں تمہاری زندگی ہے فی الواقعہ اگر تشدد کے بدلے میں تشدد نہ ہو تو تشدد عام ہو جائے اور آدمی کی زندگی خطرے میں پڑ جائے۔ تورات میں بھی قصاص کے فرض ہونے کی بجائے یہی وجہ لکھی ہے "تو اس طرح برائی کو اپنے درمیان سے دفع کیجیو تاکہ باقی لوگ سنیں اور دہشت کھائیں اور آگے کو تمہارے درمیان ایسی شرارت پھر نہ کریں"

لیکن جہاں قصاص میں حکمت ہے۔ وہاں معافی میں بھی ایک حکمت پنہاں ہے جو آگے چل کر بیان ہوگی۔ پس ان آیات میں بھی عدم تشدد کی ایک صورت بیان ہوئی۔

الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ۔ کے متعلق مفسرین اور فقہا کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ بعض مفسر کچھ لکھتے ہیں اور بعض کچھ۔ بعض فقہا کی ایک رائے ہے بعض کی کچھ اور۔ لیکن یہاں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا کہ اگر کسی کمزور قوم کا کوئی غلام کسی بڑی قوم کے آدمی کو قتل کر دیتا تو اصل قاتل کی جگہ کمزور قوم کے کسی آزاد آدمی کو بدلے میں قتل کر دیتے اسی طرح عورت قاتل کی بجائے اس کی قوم کے کسی مرد کو قتل کر دیتے۔ اس کے برعکس اگر کمزور قوم کے کسی آدمی کو طاقتور قوم کا کوئی آزاد مرد قتل کر دیتا تو اس آزاد کی جگہ کسی غلام کو قتل کر دیتے۔ اسی طرح کی اور نامعقول اور نامنصفانہ رسمیں بھی عرب میں جاری تھیں۔ قرآن مجید نے ان بیہودہ رسموں کو بند کرنے کا حکم دیا۔ اس لئے قرآن مجید کے ان الفاظ کا یہی ترجمہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر قاتل آزاد ہو تو اسی آزاد کو قتل کرو، قاتل غلام ہو تو اسی غلام کو قتل کرو اور اگر قاتل عورت ہو تو اسی عورت کو قتل کرو

اب جوابی تشدد کے متعلق موجودہ انجیل کے احکام پر غور کیجیے۔

"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرو بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی چاہے کہ تجھ پر نالش کر کے تیری قبا لے، کُرتے کو بھی اُسے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا، جو کوئی تجھ سے کچھ مانگے اُسے دے اور جو تجھ سے قرض چاہے اس سے منہ نہ موڑ۔"

"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا اپنے پڑوسی سے دوستی رکھ اور اپنے دشمن سے عداوت، پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں کو پیار کرو اور جو تم پر لعنت کریں ان کے لئے برکت چاہو جو تم کو

کینہ رکھیں ان کا بھلا کرو اور جو تمہیں دکھ دیں اور ستائیں ان کے لئے دعا مانگو، تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے فرزند ہو۔ کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں پر اُگاتا ہے اور راستوں اور ناراستوں پر مینہ برساتا ہے کیونکہ اگر تم انہیں کو پیار کرو جو تمہیں پیار کرتے ہیں تو تمہارے لئے کیا اجر ہے؟ کیا محصول لینے والے بھی ایسا نہیں کرتے؟ اور اگر تم فقط اپنے بھائیوں کو سلام کرو تو کیا زیادہ کیا؟ کیا محصول لینے والے بھی ایسا نہیں کرتے؟ پس تم کامل ہو جیسا تمہارا باپ جو آسمان پر ہے کامل ہے۔" نیا عہد نامہ۔ متی کی انجیل۔ باب ۵ آیات ۳۸ تا ۴۸)

تشدد بجوابِ تشدد کے متعلق آپ توریت، انجیل اور قرآن مجید کے احکام پڑھ چکے اب آپ ان پر غور کریں اور اُن کا آپس میں مقابلہ کریں۔

(۱) تورات جو مذکورہ تینوں کتابوں میں سب سے پہلے کی ہے تشدد کے جواب میں تشدد کو لازم قرار دیتی ہے اور ساتھ ہی حکم کرتی ہے کہ تیری آنکھ مروت نہ کرے اور ظالم کو معافی نہ دے۔

(۲) انجیل تورات کے بعد کی کتاب ہے۔ اس میں تشدد بجوابِ تشدد سے بالکل منع کیا گیا ہے اور ہر صورت میں عفو سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے یعنی کلّی عدم تشدد کی تعلیم ہے۔

مشہور و معروف کتاب پرنس کے مصنف میکیاویلی کے مندرجہ ذیل خیالات گویا انجیل کی اِس تعلیم پر ایک تنقید ہے۔

• میکیاویلی کمینگی کمزوری اور بزدلی پر حملہ کرتا ہے اور اپنے معاصرین پر انہی کمزوریوں کا الزام لگاتا ہے جیسا کہ اس کی تاریخ فلارنس سے معلوم ہوتا ہے۔ جب وہ یہ سوال کرتا ہے کہ انسان اپنی قدیم عظمت سے کیوں گر گئے ہیں تو اس کو اس کی وجہ ان کی تعلیم نظر آتی ہے۔ جس کے اثرات نے ان کو اپاہج اور مایوس کر دیا ہے اور اس تعلیم کا سب سے بڑا تعلق مذہب سے ہے قدماء آبرو، عزتِ نفس قوت اور صحتِ جسم کو پسند کرتے تھے اور قدیم مذاہب ان فانی

لوگوں کو جو سپہ سالار، بہادر اور مقنن ہونے کی وجہ سے شہرت حاصل کرتے تھے، الوہیت کا جامہ پہنا دیتے تھے۔ ان کے مذہبی رسوم شاندار ہوتے تھے۔ اور ان میں اکثر خونی قربانیاں ہوتی تھیں جو لازماً لوگوں کے دلوں میں تندی اور درشتی کا میلان پیدا کرتی ہوں گی"۔

" برخلاف اس کے ہمارا مذہب مقصد اعلیٰ کو دوسرے عالم میں جا رکھتا ہے اور اس دنیا کی آرزو کو نظرِ تحقیر سے دیکھنے کی تعلیم دیتا ہے وہ عجز اور ایثارِ نفس کو بڑی شاندار نیکیاں سمجھتا ہے اور فکر و مراقبہ کی خاموش زندگی کو خارجی امور کی عملی زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اگر وہ ہم سے قوت کا بھی طالب ہوتا ہے تو قوتِ فعل کا نہیں بلکہ قوتِ برداشت کا۔ اس اخلاق نے انسانوں کو کمزور کر دیا ہے اور دنیا کو بے دھڑک اور شدت پسند آدمیوں کے سپرد کر دیا ہے جن کو یہ معلوم ہو گیا کہ اکثر لوگ بہشت کی امید میں بہ نسبت بدلہ لینے کے برداشت کرنے پر زیادہ مائل ہیں۔ میکیاویلی ساتھ ہی کہتا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ انسانی بزدلی عیسائیت کی غلط تاویل سے پیدا ہوئی ہے لیکن ان الفاظ سے اُس کا یہ مقصد نہیں ہو سکتا کہ وہ عیسائی اخلاق اور قدیم اخلاق کے تمام تخالف کو واپس لیتا ہے اور اس کا خود جس طرف میلان ہے وہ ظاہر ہے"۔ [۱]

(۳) قرآن مجید جو سب سے بعد کی کتاب ہے تشدد کے جواب میں تشدد کو لازم قرار دیتی ہے لیکن ساتھ ہی عفو کی اجازت بھی دیتی ہے۔

گویا پہلی کتاب میں قصاص ہے اور عفو نہیں۔ دوسری کتاب میں عفو ہے قصاص نہیں۔ تیسری کتاب میں قصاص بھی ہے اور عفو بھی۔ تورات کی تعلیم ایک انتہا پر تھی انجیل کی تعلیم دوسری انتہا پر۔ اور قرآن مجید کی تعلیم خیر الامور اوسطہا کا ایک روشن نمونہ۔ تورات کے احکام عوام کا دستور العمل بن سکتے ہیں۔

---

[۱] تاریخ فلسفۂ جدید، جلد اول مصنفہ ڈاکٹر ہیرلڈ ہوفڈنگ۔ ترجمہ اردو از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ص ۲۷ - ۲۸ -

انجیل کے احکام خواص بلکہ انسانِ کامل کا معمول ہو سکتے ہیں اور قرآن مجید کے احکام ہر خاص و عام کے لئے شمع راہ کا کام دے سکتے ہیں۔ ہم ان کتابوں کے احکام پر جتنا گہرا غور کرتے جائیں گے قرآن مجید پر ہمارا ایمان اتنا ہی زیادہ مضبوط ہوتا جائے گا۔

نوعِ انسانی کی تاریخ میں اہنسا کے اصول پر عمل پیرا ہونے کا سب سے پہلا واقعہ خود حضرتِ آدم علیہ السلام کی زندگی میں ہی پیش آیا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ	اور سنا ان کو حال آدمؑ کے دو بیٹوں کا سچا۔ جبکہ
إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا	دونوں نے قربانی کی پس قبول ہوئی ایک کی ان
وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ. قَالَ	میں سے اور نہ قبول ہوئی دوسرے کی۔ اس نے کہا
إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ	میں تجھے ضرور قتل کروں گا اس نے جواب دیا کہ اللہ
لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ	تو پرہیزگاروں ہی سے قبول کرتا ہے اگر تو بڑھائیگا
لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ	میری طرف اپنا ہاتھ مجھے قتل کرنے کو تو میں نہیں
إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ. إِنِّي أَخَافُ	بڑھاؤں گا اپنا ہاتھ تیری طرف تجھے قتل کرنے کو۔
اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ. إِنِّي أُرِيدُ	میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو سارے جہانوں کا پروردگار
أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ	ہے میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تو اٹھائے میرا گناہ بھی اور
فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ.	اپنا گناہ بھی۔ پس تو ہو جا اہلِ دوزخ میں سے اور
وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ.	یہی ہے سزا ظالموں کی۔ پھر آمادہ کر دیا اسے اس
فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ	کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل کرنے پر۔ پس اسے
فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ.	قتل کر ڈالا اور ہو گیا خسارہ اٹھانے والوں سے۔

(۵ - ۲۷ تا ۳۰)

یہ قصہ ہے آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا۔ ان دونوں نے قربانی کی۔ ہابیل کی قربانی اللہ تعالیٰ نے قبول کرلی اور قابیل کی قربانی کو قبول نہ کیا۔ اس پر قابیل کا رشک حسد میں تبدیل ہوگیا اور حسد دشمنی میں۔ قابیل نے ہابیل کو کہا کہ میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ ہابیل نے جواب دیا کہ اس میں میرا قصور نہیں۔ اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگاروں کی قربانی قبول کرتا ہے اور اگر تو خواہ مخواہ مجھے قتل کرنے کیلئے ہاتھ اٹھائے گا تو میں جواب میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ کیونکہ میں خدا سے ڈرتا ہوں تجھ پر ہاتھ اٹھانے کی بجائے میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اگر تو مجھے قتل کرے تو مجھ مظلوم کے گناہ بھی تیرے سر پر پڑیں اور تیرے اپنے گناہ بھی اور تو اس جرم کی پاداش میں دوزخ میں جائے کیونکہ ظالموں کی سزا یہی ہے اس پر قابیل نے ہابیل کو قتل کردیا۔

ظاہر ہے کہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے حملہ آور پر حملہ کرنا اور تشدد کے جواب میں تشدد کا استعمال کرنا نہ صرف شریعت اور قانون میں جائز ہے بلکہ انسانی فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ یقیناً ہابیل کو حفاظتِ خود اختیاری کا حق حاصل ہو چکا تھا لیکن اُس نے اِس حق کو استعمال کرنے اور قابیل کے تشدد کے جواب میں تشدد کرنے سے صاف انکار کردیا اور اہنسا کے اصول پر کاربند ہو کر مظلومانہ شہادت کو تشدد پر ترجیح دی۔

اس میں شک نہیں کہ ہابیل کا یہ طرزِ عمل جو آیاتِ بالا میں مذکور ہوا۔ خود ہابیل کا اپنا طرزِ عمل تھا۔ خدا کا حکم نہ تھا لیکن یہ یقینی بات ہے کہ یہ طرزِ عمل جس انداز سے قرآن مجید میں بیان ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہابیل کا یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کو منظور و مقبول تھا۔

ہابیل نے یہ جو کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ بھی اٹھالے، اس پر بعض اصحاب کو یہ تردد ہوا کہ ایک کا بوجھ دوسرا کیوں اٹھائے گا اور ایک کے گناہ کا بار دوسرے کے سر پر کیونکر پڑے گا۔ اس لئے انھوں نے باثمی کا ترجمہ کیا "میرے قتل کا گناہ" یعنی تو اپنے اور گناہ بھی اٹھائے اور مجھے قتل کرنے کا

گناہ بھی. لیکن ہاشمی کا یہ ترجمہ محض سینہ زوری ہے۔ مظلوم کے گناہوں کا بار ظالم کے سر پر کس طرح پڑے اس سوال کا جواب بخاری کی ایک حدیث میں موجود ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کہتے ہیں کہ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے
من کانت لہ مظلمۃٌ لاخیہ من	اپنے بھائی کی آبرو یا کسی اور چیز کے متعلق ظلم کیا ہو
عرضہا او شئی فلیتحللہ منہ	اُسے چاہئے کہ آج اس سے معاف کرالے قبل اس کے
الیوم قبل ان لایکون دینارٌ	کہ (بروز قیامت) نہ درم رہے نہ دینار۔ اس وقت
ولا درھمٌ. ان کان لہ عملٌ	اگر اس (ظالم) کا کوئی عمل صالح ہوگا تو اس میں سے
صالحٌ اُخذ منہ بقدر مظلمتہ	بقدر اس کے ظلم کے لے لیا جائیگا (اور مظلوم کو دیدیا
وان لم تکن لہ حسناتٌ اخذ	جائے گا) اور اگر اس (ظالم) کے پاس نیکیاں نہ
من سیّات صاحبہ فحمل	ہوں گی تو اس کے (مظلوم) ساتھی کی بدیاں
علیہ۔	لیکر اس (ظالم) پر لاد دی جائیں گی۔

قرآن مجید میں اکثر مقامات پر قصاص اور عفو یعنی جوابی تشدد اور عدمِ تشدد کا یکجا ذکر ہوا ہے اور جوابی تشدد کا جواز اور عدمِ تشدد کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَہُمُ الۡبَغۡیُ ہُمۡ یَنۡتَصِرُوۡنَ	اور وہ لوگ کہ جب ہوتا ہے اُن پر ظلم تو وہ بدلہ لیتے
وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُہَا فَمَنۡ	ہیں اور بدلہ بُرائی کا ہے بُرائی ویسی ہی۔ پس
عَفَا وَاَصۡلَحَ فَاَجۡرُہٗ عَلَی اللّٰہِ اِنَّہٗ	جس نے معاف کر دیا اور صلح کر لی سو اس کا اجر ہے
لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ۔ وَلَمَنِ انۡتَصَرَ	اللہ کے ذمے، بیشک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔
بَعۡدَ ظُلۡمِہٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیۡہِمۡ	اور جس نے بدلہ لیا بعد اس کے کہ اس پر ظلم ہوا سو

مِنْ سَبِيلٍ۔ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ — ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں، الزام تو اُن پر ہے

يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ — جو ظلم کرتے ہیں لوگوں پر اور سرکشی کرتے ہیں زمین میں

بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ — بغیر حق کے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ — ہے اور جس نے صبر کیا اور معاف کردیا سو یہ بیشک

لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔ (۴۲-۳۹تا۴۳) بلند ہمتی کا کام ہے۔

ان آیات سے پہلے کی آیات میں اچھے لوگوں کا ذکر تھا۔ انہی اچھے لوگوں میں وہ لوگ بھی مذکور ہوئے جو ظلم کا بدلہ لیتے ہیں چند اہم باتیں جو ان آیات سے ثابت ہوتی ہیں یہ ہیں۔

(۱) مظلوم کی طرف سے جوابی تشدد ظالم کے تشدد سے زیادہ یا بدتر نوعیت کا نہیں ہونا چاہئے حقِ حفاظتِ خود اختیاری کے موجودہ ملکی قانون میں بھی یہ شرط موجود ہے کہ جوابی تشدد ضرورت سے زیادہ نہ ہو

(۲) جوابی تشدد کے استعمال کرنے والے پر کوئی الزام نہیں اور نہ ایسا تشدد جرم کی تعریف میں آتا ہے

(۳) الزام صرف اس شخص پر ہے جو تشدد میں ابتدا کرتا ہے یا اس شخص پر جو جوابی تشدد میں مقررہ با حدود سے گزر جاتا ہے۔

(۴) جو شخص ظالم کے تشدد کے جواب میں تشدد نہ کرے بلکہ اسے معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ اُسے اِس صبر کا اجر عطا کرے گا۔

(۵) تشدد کے مقابلے میں صبر اور عفو سے کام لینا بڑی بلند ہمتی کا کام ہے اور بڑا قابلِ ستائش کام۔

پس ان آیات سے جوابی تشدد کی اجازت اور عدمِ تشدد کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ تبیان میں حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ قیامت کے دن ندا ہوگی کہ جس شخص کا خدا کے ذمے کوئی اجر ہے وہ اٹھے اور لے اس ندا کے جواب میں کوئی شخص نہ اٹھے گا سوائے اس کے جس نے کسی ظلم کو معاف کیا ہوگا (بحوالہ تفسیر حسینی)

عفو از گناہ سیرتِ اہلِ فتوت است
بے حلم و عفو کارِ فتوت تمام نیست
بگذر ز جورِ خصم و کرم کن کہ عاقبت
در عفو لذتے ست کہ در انتقام نیست

قرآن مجید نے انجیل کی طرح قصاص کو ناجائز نہیں ٹھیرایا کیونکہ انسانی طبائع مختلف ہیں نہ ہر شخص اتنا بلند ہمت ہے کہ وہ ہر تشدد کو معاف کر سکے اور نہ ہر ظالم اس کا مستحق ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے۔ بقول سعدی

نکوئی با بدان کردن چنان است
کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا
اے نبی۔ بے شبہ ہم نے بھیجا ہے تجھے گواہی دینے والا اور
وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۔ وَّدَاعِيًا اِلَى
خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور بلانے والا
اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ وَبَشِّرِ
اللہ کی طرف اس کے حکم سے۔ اور چراغ روشن اور
الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا
خوشخبری دے ایمان والوں کو کہ ان کے لئے ہے اللہ کی
كَبِيْرًا۔ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ
طرف سے بہت بڑا فضل۔ اور نہ کہا مان کافروں اور
وَدَعْ اَذٰهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۔ وَ
منافقوں کا اور پرواہ نہ کر ان کی ایذا رسانی کی۔
كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ (۳۳-۴۵ تا ۴۸)
اور بھروسہ کر اللہ پر اور کافی ہے اللہ کارساز۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دلایا ہے کہ آپ نبی ہیں، بشیر ہیں، نذیر ہیں، داعی الی اللہ ہیں اور اہلِ عالم کے لئے روشن چراغ۔ اس لئے لوگوں کو اپنا پیغام سناتے جایئے۔ کفار کو عذابِ آخرت سے ڈراتے جایئے، ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی خوشخبری دیتے جایئے، دنیا میں نورِ ہدایت کی روشنی پھیلاتے جایئے نہ کافروں اور منافقوں کی باتوں میں آیئے اور نہ ان کی ایذا رسانی کی پرواہ کیجئے۔ اللہ کارساز ہے اور آخرکار آپ کی کارسازی کرے گا اور آپ کو کامیاب بنائے گا۔

یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی ایذا رسانی کے مقابلے میں صبر۔ برداشت اور توکل

کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ ایذا کے مقابلے میں ایذا کا۔ یہ عدم تشدد کی تعلیم ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ — بلا (لوگوں کو) اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت سے اور
الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ — اچھی نصیحت سے اور بحث کر ان کے ساتھ خوبصورت طریقے سے
اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ — بیشک تیرا رب بہتر جانتا ہے اس کو جو گمراہ ہوا اس کے رستے سے
سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ — اور وہی بہتر جانتا ہے راہِ راست پر چلنے والوں کو۔ اور اگر تم سختی
فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ — کرو تو سختی کرو ویسی ہی جیسی سختی تم پر کی گئی ہو۔ اور اگر تم
لَھُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ۔ (۱۲۶-۱۲۵ و ۱۶) — صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے۔

تبلیغ کا کتنا خوبصورت طریقہ بتایا گیا ہے۔ دعوت حکیمانہ ہو، نصیحت خوش آیند ہو اور بحث خوش آئند تر اگر ہمارے مبلغ اس اصول پر کاربند ہوں تو کامیابی یقینی ہو لیکن افسوس ہے کہ ہماری تبلیغ اور ہمارے تبلیغی مناظرے محض ایک دوسرے کی تضحیک پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور بس۔

ان آیات میں جوابی تشدد کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اگر تم تشدد کرو تو بس اتنا ہی جتنا تم پر کیا گیا ہو اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ بہتر تو یہی ہے کہ تم تشدد کے جواب میں تشدد نہ کرو۔ بلکہ صبر اور برداشت سے کام لو۔ جی چاہتا ہے کہ ان آیات کے نیچے مولانا ابوالکلام آزاد نے جو نوٹ لکھا ہے نقل کر دوں تاکہ میری روکھی پھیکی عبارت کے صحرا میں ان کا ادیبانہ اسلوب بیان ایک سرسبز نخلستان کا کام دے جائے۔

"غور کرو قرآن کا محض ایک لفظ یا محض ایک ترکیب کس طرح مقاصد و مسائل کے فیصلے کر دیا کرتی ہے پہلے بصیغۂ امر دعوت کا حکم دیا گیا تھا "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ" پس چاہیے تھا کہ یہاں بھی بدلہ لینے کا حکم دیا جاتا کہ اگر تمہارے ساتھ سختی کی گئی ہے تو تم بھی ویسی ہی سختی کرو۔ مگر نہیں ایسا نہیں فرمایا بلکہ کہا "وَاِنْ عَاقَبْتُمْ" اگر ایسا ہو کہ تم مخالف کی سختی کے جواب میں سختی کرنا چاہو تو چاہیے کہ حد سے نہ بڑھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ سختی کے جواب میں سختی کا حکم نہیں ہے محض اجازت ہے

یعنی اگر ایک آدمی وہ مقام حاصل نہیں کرسکتا جو اس بارے میں بہتری اور خوبی کا مقام ہے۔ جھیل جانا اور بخش دینا۔ تو پھر اُسے بدلے کی اجازت دیدی گئی ہے لیکن اجازت کو "بمثل ما عوقبتم" سے مقید کردیا، تاکہ زیادتی کا دروازہ بکلی بند ہوجائے۔ اب دوہی راہیں کھلی رہ گئیں عزیمت تو اس میں ہوئی کہ جھیل جاؤ اور بخش دو۔ رخصت اس کی ہوئی کہ جتنی سختی کی گئی ہے۔ اتنی ہی تم بھی کرلو۔ اس سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتے۔"

"اس آیت کی تفسیر میں امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) کی ایک تقریر بہت مقبول ہوئی ہے جو انھوں نے "قسطاس المستقیم" میں لکھی ہے اور بعد کے مفسرین نے عموماً اسے اختیار کرلیا ہے وہ کہتے ہیں استعداد و فہم کے لحاظ سے ہر انسان کی طبیعت یکساں نہیں۔ اور ہر ذہنی حالت ایک خاص طرح کا اسلوبِ خطاب چاہتی ہے۔ اربابِ دانش کیلئے استدلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ عوام کے لئے موعظت کی اور اصحابِ خصومت کے لئے جدل کی۔ پس اس آیت میں قرآن نے تینوں جماعتوں کے لئے یہ تینوں طریقے بتلا دیئے ہیں۔ اربابِ دانش کو حکمت کے ساتھ مخاطب کرو، عوام کو موعظت کے ساتھ۔ اور اربابِ خصومت کے لئے جدل کی بھی اجازت ہے مگر بطریقِ احسن" (ترجمان القرآن ص ۳۴۵)

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم	اکثر اہل کتاب چاہتے ہیں کہ وہ پھیر دیں تمہیں
مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا	ایمان لائے پیچھے کافروں میں بوجہ حسد کے جو
مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ	ان کے دلوں میں ہے حالانکہ ظاہر ہوچکا ان پر
مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا	حق۔ پس معاف کرو اور درگذر کرو تا وقتیکہ
حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ	بھیجے اللہ اپنا حکم (یعنی حکم جہاد) بے شک
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۲-۱۰۹)	اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اسلام کی ابتدائی دور کی تاریخ شاہد ہے کہ مکہ معظمہ کے اہلِ کتاب کا فر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اُن مٹھی بھر لوگوں پر جو ایمان لے آئے ۔طرح طرح کے تشدد اور ظلم کرتے تھے تاکہ انھیں تنگ کرکے پھر کافر بنادیں۔ یہ اللہ کے بندے رنگا رنگ مصیبتیں اور اذیتیں جھیلتے رہے مگر ہاتھ نہ اٹھایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ "جھیل جاؤ اور بخش دو" لطف یہ ہے کہ اس برداشت میں عفو کا عنصر بھی موجود تھا۔ غور کیجئے کتنا بلند مقام ہے۔

جوابی تشدد اور عدمِ تشدد کی دو حیثیتیں ہیں۔

(۱) انفرادی اور شخصی (۲) جماعتی یا قومی

اس آیت میں جماعتی عدمِ تشدد کی تعلیم ہے، عدمِ تشدد دو چیزوں پر موقوف ہے ایک علو ہمت، دوسری مصلحتِ وقت۔ یہاں جس عدمِ تشدد کا حکم دیا گیا ہے اس میں یہ دونوں عنصر موجود ہیں، جس زمانے کی یہ بات ہے اس وقت مسلمان معدودے چند تھے اور کامیاب مدافعت کے ناقابل۔ یہ تو مصلحت کا عنصر لیکن بلند ہمتی کا عنصر بھی موجود تھا کیونکہ درگذر کے ساتھ عفو کی ہدایت بھی موجود ہے۔ علامہ اقبال مرحوم کا شعر

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

ایک مقام ہے عقلِ مصلحت اندیش کا، ایک مقام ہے عشقِ مصلحت نا اندیش کا۔ یہ دونوں مقام ایک دوسرے کے منافی نہیں۔ کامیاب انسان کے لئے جہاں عشق مصلحت نا اندیش کی ضرورت ہے وہاں عقلِ مصلحت اندیش کے بغیر بھی چارہ نہیں۔ یہ تھوڑے سے گنتی کے مسلمان اگر مقامِ عشق مصلحت نا اندیش پر قائم نہ ہوتے تو یقیناً اُن جانکاہ مصیبتوں کے مقابلے میں ارتداد کو ترجیح دیتے اور اگر وہ مقامِ عقلِ مصلحت اندیش سے ناآشنا ہوتے تو ضرور وہ مقابلے پر اٹھ کھڑے ہوکر خودکشی کے مرتکب ہوتے لیکن وہ ان دونوں غلطیوں سے بچے رہے کیونکہ اُن کا ان دونوں مقاموں پر عبور تھا اسی لئے وہ مدافعانہ اقدام کے لئے اس وقت تک منتظر رہے جب کہ ان کی جماعتی طاقت بڑھ گئی۔ اور جہاد کا حکم آگیا۔

لیکن دیکھئے جہاد کا حکم آیا بھی تو کتنا حکیمانہ اور کتنا منصفانہ۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ	اور لڑو اللہ کی راہ میں اُن سے جو لڑیں تم سے اور
وَلَا تَعْتَدُوْا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ	زیادتی نہ کرو یقیناً اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں
وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَأَخْرِجُوْهُمْ	کرتا اور قتل کرو انھیں جہاں پاؤ اور نکال دو ان کو
مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ	جہاں سے نکالا انھوں نے تم کو۔ اور فتنہ زیادہ سخت
مِنَ الْقَتْلِ۔ وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ	ہے قتل سے اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام (یعنی کعبہ)
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ	کے پاس۔ جب تک کہ وہ نہ لڑیں تم سے وہاں۔ پس
فَإِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ۔ كَذٰلِكَ	اگر وہ لڑیں تم سے تو قتل کرو اُن کو۔ یہی سزا ہے کافروں
جَزَاءُ الْكَافِرِيْنَ۔ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ	کی۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو یقیناً اللہ غفور اور
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى	رحیم ہے اور لڑو اُن سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ
لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ	اور ہو جائے دین اللہ کے لئے۔ پس اگر وہ باز آجائیں
فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى	تو نہیں سختی مگر ظالموں پر۔ حرمت والا مہینہ
الظّٰلِمِيْنَ۔ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ	حرمت والے مہینہ کے بدلے ہے اور سب حرمتوں
وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ۔ فَمَنِ اعْتَدٰى	میں بدلہ ہے پھر جو زیادتی کرے تم پر تو تم بھی
عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى	اس پر زیادتی کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی
عَلَيْكُمْ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا أَنَّ	اور ڈرو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں
اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ (۲۔ ۱۹۰ تا ۱۹۴)	کے ساتھ ہے۔

آیاتِ بالا میں قانونِ جنگ کے جو اصول بیان ہوئے وہ گہرے غور کے قابل ہیں۔

(۱) لڑائی صرف اسی قوم سے ہو سکتی ہے جو حملہ آور ہو۔ "الذین یقاتلونکم" اس سے معلوم ہوا

کہ جہاد مدافعانہ اقدام ہے۔

(۲) لڑائی میں فریقِ ثانی پر زیادتی کرنا جائز نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسلامی قانون کی رو سے ایٹم بم گرانا تعدی ہے اور خدا معتدین کو پسند نہیں کرتا۔

(۳) عرب کے رواج کے مطابق خانہ کعبہ کے نواح میں لڑائی کرنا منع تھا۔ اسی طرح بعض مہینوں میں بھی لڑائی بند ہوتی تھی۔ مسلمانوں کو حکم ہوا ہے کہ تم بھی ان حرمتوں کا لحاظ کرو، ہاں اگر دشمن ان کا پاس نہ کرے تو اس صورت میں تم بھی آزاد ہو۔

(۴) اگر دشمن لڑائی بند کر دے تو تم بھی بند کر دو۔ "فان انتہوا" تاکید کے لئے یہ حکم مکرر بیان ہوا۔

(۵) لڑائی فتنہ دور کرنے کے لئے ہو فتنہ دور ہو جائے تو لڑائی بند کر دو۔ اس صورت میں فتنہ یہ تھا کہ کافر مسلمانوں کو پھر کفر میں واپس لانے کے لئے ان پر طرح طرح کے ظلم وستم کرتے تھے یہاں تک کہ مسلمانوں کو ان کے مظالم سے تنگ آکر مکہ چھوڑنا پڑا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مذہبی آزادی کیلئے لڑنا جائز ہے لیکن جب یہ آزادی مل جائے تو پھر لڑنا جائز نہیں۔ دین کا معاملہ خدا اور آدمی کے درمیان ہے کسی تیسرے شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس معاملے میں دخل دے۔ اگر کوئی دخل دے تو لڑو۔ لیکن جب پھر دین کا معاملہ خدا کے سپرد ہو جائے تو لڑنا بند کر دو۔ "ویکون الدین للہ"

(۶) تعدی کے مقابلے میں اتنی ہی تعدی کرو جتنی تم پر کی گئی ہو، اس سے زیادہ جائز نہیں، یہ تقویٰ ہے اور اللہ تعالیٰ تقویٰ کرنے والوں کا حامی ومددگار رہے۔

آپ نے دیکھا کہ جوابی تشدد اگر ضروری بھی ہو جائے تو بھی وہ مشروط ہے بشرائطِ چند در چند۔ یہ نہیں کہ موجودہ زمانے کی لڑائیوں کی طرح انسانیت سوز حدود تک چلا جائے۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ عدمِ تشدد اور اہنسا کی تضحیک کرتے ہیں اور دوسروں کو تشدد پر آمادہ کرتے رہتے ہیں وہ خود بڑے بزدل ہوتے ہیں اور وقت پر عورتوں کی طرح گھروں میں چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں مندرجہ ذیل قرآنی آیت میں انہی لوگوں کا ذکر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ. فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ (۴:۷۷)

کیا نہیں دیکھا تونے ان لوگوں کو جن سے کہا گیا تھا کہ روک لو ہاتھ اپنے اور قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوۃ۔ پھر جب فرض کیا گیا ان پر جہاد تو اُن میں ایک گروہ ڈرنے لگا لوگوں سے جیسے ڈرنا چاہیے اللہ سے یا اس سے بھی زیادہ ڈرنا اور کہا انھوں نے اے ہمارے رب کیوں فرض کیا تونے ہم پر جہاد اور ہمیں تھوڑی اور مہلت کیوں نہ دی۔

مکہ معظمہ میں جب کافر مسلمانوں کو ایذائیں دیتے تھے تو بعض مسلمان کہتے تھے کہ ہمیں جوابی تشدد کی اجازت دی جائے، انھیں کہا گیا کہ نہیں ابھی جہاد کا وقت نہیں، ہاتھوں کو روک رکھو اور نمازیں پڑھو اور زکوۃ ادا کرو لیکن جب جہاد کا حکم آیا تو یہ لوگ کافروں کے مقابلے سے اتنا ڈرنے لگے جتنا خدا سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے کہ ابھی جہاد خلافِ مصلحت ہے اور مہلت ہونی چاہیے۔ مولانا رومؒ نے انہی لوگوں کے متعلق کہا ہے۔

درمیانِ ہمہ گرم مردانہ اند — درغزا چوں عورتانِ خانہ اند
وقتِ لافِ غزو مستاں کف زنند — وقتِ جوش وجنگ چوں کف می فتند
وقتِ ذکرِ غزو شمشیرش دراز — وقتِ کرّ و فرّ تیغش چوں پیاز
لاف وغرہ ژاژ خارا کم شنو — با جُنُب ہا در صفِ ہیجا مرو
زانکہ زادو کم خبالاً گفت حق — کز رفیقِ سست برگرداں ورق
پس مشو ہمراہ ایں اشتر دلاں — زانکہ وقتِ ضیق وبیم اندآفلاں
پس گریزند و ترا تنہا ہلند — گرچہ اندر لاف سحرِ با بلند

تو زرعنا یاں مجو ہیں کا رزار — تو زطاؤ ساں مجو صید و شکار

قرآن مجید میں تشددِ فعلی اور تشددِ قولی دونوں کے جواب میں عدمِ تشدد کی تعلیم موجود ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ	یہی لوگ ہیں جنہیں اُن کا اجر دو دفعہ دیا جائے گا۔
بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ	بدیں وجہ کہ انھوں نے صبر کیا اور وہ ہٹاتے ہیں
السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ	برائی کو بھلائی کے ساتھ اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا ہے
وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ	اس سے خرچ کرتے ہیں اور جب وہ سنتے ہیں لغوبات
وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ	تو اس کو کنارہ کشی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال
سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي	ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے سلام ہے
الْجٰهِلِيْنَ۔ (۲۸-۵۴ و ۵۵)	تم پر، ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔

آپ نے دیکھا عدمِ تشدد کا اجر دو چند ہے۔ صبر کرنے کی وجہ سے اور بدی کے بدلے میں نیکی کرنے کی وجہ سے عدمِ تشدد پر عمل کرنے والے لوگ جو کوئی لغوبات سنتے ہیں تو اس کے جواب میں لغوبات نہیں کہتے بلکہ یہ کہہ کر چل دیتے ہیں کہ "آپ جانیں اور آپ کے کام۔ ہمارا اور آپ کا ساتھ ممکن نہیں۔ آپ پر سلام ہو" فکر کا مقام ہے آج کل ہم میں کتنے ہیں جو اس نہایت حکیمانہ تعلیم پر کاربند ہیں۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ	اور اللہ کے (نیک) بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر
عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ	عجز و انکسار کے ساتھ اور جب مخاطب ہوتے ہیں
الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (۲۵-۶۳)	ان سے جاہل تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ تم پر سلام ہو۔

کتنا بلند مقام ہے ہمارا یہ حال ہے کہ جہالت کے جواب میں جب تک ہم بڑھ چڑھ کر جہالت نہ کریں تسلی نہیں ہوتی ہمارا دستور العمل تو یہ ہے۔

الا لا یجھلن احدٌ علینا — فنجھل فوق جھل الجاھلینا

مولانائے روم کے یہ دو شعر اسی بلند مقام کا پتہ دیتے ہیں جو اس آیت میں مذکور ہوا۔

اگر گویند زراقی و سالوس بگو ہستم دو صد چندان و می رو
وگر از خشم دشنامے دہندت دعا کن خوشدل و خندان و می رو

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ اور وہ (نیک) لوگ جو نہیں شہادت دیتے
وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا جھوٹی اور جب وہ گزرتے ہیں لغو کے پاس سے
(۲۵ - ۷۲) تو گزر جاتے ہیں وقار کے ساتھ۔

لغو قول یا لغو فعل پیش آجائے تو نیک بندے جواب میں نہ لغو کہتے ہیں نہ لغو کرتے ہیں بلکہ شرافت متانت اور وقار کے ساتھ کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ اور صبر کر ان باتوں پر جو وہ کہتے ہیں اور چھوڑ دے
هَجْرًا جَمِيْلًا ۝ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُن کو چھوڑنا خوبصورت اور چھوڑ دے مجھے اور ان
اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا خوش حال جھٹلانے والوں کو اور مہلت دے انھیں
اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا (۷۳ - ۱۲) تھوڑی بلاشبہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور دوزخ۔

یہ خطاب ہے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کافر اور مشرک آپ کو بیہودہ باتیں کہہ کہہ کر ایذ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ آپ ان کی باتوں پر صبر کریں اور انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ میں جانوں لطف یہ ہے کہ چھوڑنا بھی وہ چھوڑنا نہیں جو بدزبان آدمی کے درخور ہے۔ بلکہ ہجرِ جمیل کی ہدایت خوبصورت چھوڑنا یہ نہ صرف عدمِ تشدد ہے بلکہ حسین و جمیل عدمِ تشدد۔

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا دلِ دشمناں ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام کہ با دوستانت خلاف است و جنگ (سعدی)

فی الواقعہ یہ مقام بہت بلندی پر ہے۔ کوئی خوش بخت آدمی ہی وہاں تک پہنچ سکتا ہے

جوابی تشدد یعنی قصاص کی حکمت اور مصلحت پہلے بیان ہو چکی۔ قرآن مجید میں عدم تشدد یا اہنسا کی حکمت بھی بیان ہوئی ہے۔

وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ	اور نہیں برابر نیکی اور بدی (برائی کا) دفعیہ کر
اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ	ایسی بات سے جو اچھی ہو۔ پس یکایک وہ شخص جس
بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ	کے اور تیرے درمیان عداوت تھی۔ ایسا ہو جائیگا
وَلِىٌّ حَمِيْمٌ ۔ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ	جیسا ایک مخلص دوست اور نہیں ملتی یہ بات
صَبَرُوْا ۔ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ	مگر اُن کو جو صبر کرتے ہیں اور نہیں ملتی یہ بات
عَظِيْمٍ ۔ (۴۱ - ۳۴ و ۳۵)	مگر اس کو جو بڑا بخت والا ہوتا ہے۔

یہ حکمت ہے عدمِ تشدد کی اور یہ مقام ہے اُن لوگوں کا جنہیں اللہ تعالیٰ نے صابر اور ذو حظ عظیم کہا ہے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "حسنِ خلق آنست کہ خلق را نرنجانی و رنجِ خلق بکشی بے کینہ و مکافات"

یہاں یہ بتا دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ وہ اصحاب جو قرآن مجید کے ایک نصف کو دوسرے نصف سے منسوخ ثابت کرنے کے شائق ہیں تقریباً تمام مذکورہ بالا آیات کو آیہ سیف سے منسوخ قرار دیتے ہیں لیکن وہ لوگ جو ان نہایت حکیمانہ اور زریں تعلیمات کو منسوخ کہنے کی گستاخی نہیں کر سکتے یہ نہیں کہہ سکتے کہ عدم تشدد یا اہنسا کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔